**ماریہ ترمذی**

ٹیچنگ ریسرچ ایسوسی ایٹ، شعبہ اردو

بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد

**ڈاکٹر غلام فریدہ**

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو

بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد

# علمی متون میں ثقافتی حوالوں کے تراجم کے مسائل

Every language is unique, with own origin, roots, structure and has its own complex way of functioning idioms, expressions and compound words. Every nation has a way of communicating and expressing its own messages. This difference generates a big potential for misunderstanding cultural factors. Translation demands a deep understanding of both grammar and culture. Translation of cultural references is one of major translation problems. As translating is to encode, react and transmit the message correctly. So it is not just being bilingual, or being able to find the right word, translator should be able to do some research, as doubts can always occur.

لفظ ترجمہ کے لغوی معنی "پار لے جانے" کے ہیں۔ ترجمہ ایک زبان کے متن کی دوسری زبان میں منتقلی کا نام ہے۔[1] اگر پوری توجہ دوسری بات پر مرکوز کر دی جائے تو ترجمہ ایک لسانی عمل کی حیثیت اختیار کر جاتا ہے۔ لیکن جب ترجمے کے عمل کا تجزیہ کیا جائے تو ایک تخلیقی اور سائنسی عمل کی صورت میں جلوہ افروز ہوتا ہے۔ ترجمے کی ضرورت نوع انسانی کی تاریخ کے اولین ادوار ہی سے محسوس ہونے لگی تھی۔ چنانچہ انسانی تاریخ کے ہر دور میں ضرورت کے پیش نظر تراجم کیے جاتے رہے ہیں۔ ہر زبان نے اپنے ذخیرہ علوم میں قدیم زبانوں کے تراجم سے اضافہ کیا ہے۔ کم ترقی یافتہ اقوام نے ترقی یافتہ اقوام کی کتب کے تراجم سے اپنی ترقی کی رفتار کو بڑھانے کی کوشش کی ہے۔ تراجم اقوام کی مجموعی ضروریات کو پیش نظر رکھ کر کیے جاتے ہیں۔ دنیا میں ہر انسان اپنی زندگی کے معاملات میں دوسرے انسانوں کا مرہون منت ہے۔ بالکل اسی طرح آگے بڑھنے کے لیے اقوام بھی دوسری اقوام کی طرف دیکھتی ہیں۔ یوں جب کوئی قوم کسی خاص قوم سے روابط کی خواہش رکھتی ہے تو نتیجے میں تراجم کی تعداد میں اضافہ ہونے لگتا ہے۔ یہ روابط مذہبی، علمی، ادبی، اور بعض اوقات معاشی نوعیت کے بھی ہوتے ہیں۔ انسان کی ان گنت ضروریات کی تکمیل کے لیے تراجم کی اہمیت مسلم ہے۔ سب ہی اقوام ترجمہ کی اہمیت سے واقف ہیں۔ ہر شعبہ علم سے تعلق رکھنے والے افراد باخوبی آگاہ ہیں کہ ان کے شعبہ نے تراجم کی بدولت کتنی

ترقی کی ہے۔ترجمے کی اہمیت اب دور حاضر میں کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ یورپ کی ترقی یافتہ اقوام بھی تراجم کی اہمیت سے واقف ہیں۔اس وقت یورپ میں ترجمے کے بہت سے اہم بین الاقوامی ادارے کام کر رہے ہیں جن میں IFT (International Federation of Translators), GTI (Global Translation Institute), ATISA (American Translation and interpreting studies) شامل ہیں۔

دور حاضر میں علم ترجمہ میں سند حاصل کرنے کا بڑھتا رجحان بھی مترجم اور ترجمے کی اہمیت کا ثبوت ہے۔علمی ترجمے کے دوران درپیش مسائل کو پیش نظر رکھتے ہوئے ماہرین ترجمہ نے ترجمے کے طریقے اور اصول وضع کیے ہیں۔کچھ ماہرین علمی ترجمے کو لفظی ترجمے اور کچھ ماہرین علمی ترجمے کے لیے آزاد ترجمے کا طریقہ تجویز کرتے ہیں۔مجوزہ طریقوں میں اختلاف متن کی نوعیت میں فرق کی وجہ سے ہے۔ڈاکٹر فاخرہ نورین نے اس بحث کو سمیٹنے کے لیے ایک کنجی مہیا کر دی ہے۔ انھوں نے علوم کو مزید تین اقسام میں بانٹ دیا ہے۔

۱۔ قدرتی علوم (مثلاً طبعی وحیاتیاتی علوم)

۲۔ سماجی علوم (تاریخ، اقتصادیات، سیاسیات، لسانیات، جغرافیہ)

۳۔ انسانی علوم (فلسفہ، ادبیات اور فنون لطیفہ) [۲]

اس تقسیم پر غور کریں تو علمی متون میں نوعیت کا فرق واضح ہو جاتا ہے۔بلاشبہ ترجمے ان اقسام میں درپیش بنیادی نوعیت کے مسائل ایک سے ہوتے ہیں۔مگر ان کے سب مسائل یکساں نوعیت کے نہیں ہو سکتے۔مسائل کا فرق ان کے طریق ترجمہ پر اثر انداز ہوتا ہے۔ترجمے کے دشوار عمل میں پیش آنے والے دیگر مسائل کے ساتھ ثقافتی حوالوں کا ترجمہ بھی بنیادی مسائل کی حیثیت رکھتا ہے۔قومیں اپنے جغرافیہ، مذہب اور تاریخ وغیرہ کے حوالوں سے ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں۔یہی فرق ان کی زبانوں میں برقرار رہتا ہے۔گسٹوف کلائم ثقافت کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے:

> رسوم وروایات، امن و جنگ کے زمانے میں انفرادی اور اجتماعی رویے دوسروں سے اکتساب کیے ہوئے طریقہ ہائے کار، سائنس، مذہب اور فنون کا وہ مجموعہ ثقافت کہلاتا ہے جو نہ صرف ماضی کا ورثہ ہے بلکہ مستقبل کے لیے تجربہ بھی ہے۔[۳]

ای۔بی۔ٹیلر ثقافت کی تعریف اس طرح کرتا ہے:

> ثقافت سے مراد وہ علم، فن، اخلاقیات، قانون، رسوم ورواج، عادات، خصلتیں اور صلاحیتوں کا مجموعہ ہے جو کوئی اس حیثیت سے حاصل کر سکتا ہے کہ وہ معاشرہ کا ایک رکن ہے۔[۴]

ثقافت کے لیے انگریزی میں کلچر کا لفظ ہے۔Webster ڈکشنری میں کلچر کی مختلف تعریفیں ملتی ہیں۔

a: The customary beliefs, social forms, and material traits of a racial, religious, or Social group; also: the characteristic features of everyday existence (such as diversions or a way of life) shared by people in a place or time.

b: The set of shared attitudes, values, goals, and practices that characterizes an institution or organization.

c: The set of values, conventions, or social practices associated with a particular field, activity or societal characteristic.

d: The integrated pattern of human knowledge, belief and behavior that depends upon the capacity for learning and transmitting knowledge to succeeding generations.[۵]

ثقافتی حوالوں کے ترجمہ کا مسئلہ خاص طور پر دوسری اور تیسری قسم کے علمی تراجم میں پیش آتا ہے یعنی سماجی علوم اور انسانی علوم کے ترجمے میں ثقافتی حوالے ایک سنجیدہ مسئلے کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ جدید لسانی مطالعات کی ساختیاتی تھیوری اسی امر کی طرف توجہ مرکوز کرواتی ہے کہ زبان کے نظام میں موجود الفاظ دراصل اس کے جامع تجریدی نظام (ثقافت) کے مطابق خلق ہوتے، بنتے اور مٹتے ہیں، محاورے، ضرب الامثال وغیرہ ثقافت کا وہ حصہ ہے، جن کا ترجمہ مترجم کے لیے ایک بڑی مشکل بن جاتا ہے۔ اصل زبان میں بیان کیے گئے مدعا کے لیے ترجمہ کی جانے والی زبان کا ایسا ہم پلہ لفظ تلاش کرنا، جس میں قابل ترجمہ لفظ کے تمام پہلو سمٹ آئیں ایک بڑی دشواری ہے۔ بعض اوقات ماخذ متن میں کسی ایسی شے کا ذکر ہوتا جو ہدفی تہذیب میں موجود ہی نہیں ہوتی۔ ایسی اشیاء کے ناموں کو دوسری زبان میں منتقل کرنا بہت دشوار ہوتا ہے۔ ساختیاتی تھیوری نے لفظ مرکز تصور کی تردید کی ہے یعنی اس کے مطابق لفظ بذات خود کوئی معنی نہیں رکھتا۔ بلکہ لفظ کی حیثیت ایک نشان کی ہے۔ ہر قوم اپنی تہذیب وثقافت میں موجود مظاہر وافکار کے لیے لفظوں کی صورت میں نشان مقرر کر لیتی ہے۔ کثرت استعمال سے یہ نشان اس مخصوص قوم کے لیے بامعنی محسوس ہونے لگتے ہیں۔[۶] جب کہ دوسری اقوام کے لیے ان الفاظ میں معنی تلاش کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ دوران ترجمہ زبان کے اس نظام کو باخوبی دیکھا جا سکتا ہے۔

زبان کے ہر لفظ کا ترجمہ دشوار نہیں اور نہ ہی ہر لفظ با آسانی قابل ترجمہ ہوتا ہے۔ جیسے کے کچھ انگریزی اردو ترجمے کی مثالوں کو دیکھا جا سکتا ہے۔ انگریزی لفظ Tree کے لیے اردو میں درخت کا لفظ موجود ہے۔ کیونکہ یہ شے دونوں اقوام کی زندگی کا حصہ ہے اس لیے اس کے لیے ہم پلہ لفظ بھی موجود ہے، مکمل ابلاغ بھی ممکن ہے۔ لیکن ایسے کتنے ہی الفاظ ہے جو جغرافیے، مذہب یا کلچر کا حصہ ہے اور ایک خاص قوم کی تہذیب وثقافت میں رچ بس گئے ہیں۔ مگر دوسری اقوام ان مخصوص رسم ورواج سے ناواقف ہے۔ مثلاً ہم سب عقیقہ، عیدالفطر، عیدالاضحیٰ، عید میلاد، شب برات، شادی بیاہ کی رسموں سے باخوبی واقف ہیں۔ لیکن کیا ہم انگریزی زبان میں ان میں سے کسی کے لیے بھی کوئی بھی ایک ہم پلہ لفظ تلاش کر سکتے ہیں؟ اسی طرح انگریزی ثقافت میں ایسے بے شمار الفاظ ہیں۔ جیسے کے کرسمس (Chirstimas)، ہالو ون (Hallowen)، گرل فرینڈ وغیرہ کے لیے ہدفی متن میں ہم پلہ لفظ تلاش کرنا مترجم کے لیے ممکن نہیں۔ اگر مترجم من وعن ماخذ متن کا لفظ اختیار کر لیتا ہے تو ہدفی متن میں غیریت کا عنصر غالب آنے لگتا ہے اور اگر لفظ کا ترجمہ لفظ میں کرنے کی بجائے تشریح طریقہ اختیار کریں تو متن سے وہ تاثیر جو اختصار میں پنہاں ہوتی ہے کے غائب ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ یہ

مسئلہ تہواروں یا رسم ورواج تک ہی محدود نہیں بلکہ کھانے پینے کی اشیاء سے استعمال کی بہت سے اشیا بھی اسی شمار میں آتی ہے۔سماجی علوم اور انسانی علوم کے مترجم کو ہر مقام پر اس پیچیدہ مسئلے کا سامنا رہتا ہے۔

عموماً ترجمے کے لیے مترجم سے دونوں زبانوں میں مکمل نہیں تو ضروری واقفیت کا تقاضا کیا جاتا ہے مگر ترجمے کے عمل پر غور کریں تو اندازہ ہوگا کے صرف دو زبانوں سے آشنا ہونا کافی نہیں۔مترجم کے لیے لسانی علم کے ساتھ ثقافتی علم بھی ناگزیر ہے۔جیسے اصل متن اور ہدفی متن کی زبان کا علم ہونا چاہیے ویسے ہی،اصل متن کی ثقافت سے آگاہی بھی ضروری ہے۔ثقافت سے لاعلمی ہدفی متن کو اصل متن کے مفہوم سے دور لے جا سکتی ہے۔ثقافت سے بے خبری کی صورت میں مترجم کی نظر محدود ہو جائے گی۔وہ ماخذ متن کے الفاظ کے لغوی معنی سے آگے دیکھنے سے محروم رہ جائے گا۔اہل زبان بخوبی جانتے ہیں کی زبانوں میں یا متون میں درج ہر لفظ کے لغوی معنی مراد نہیں لیے جا سکتے۔صرف لغوی معنی پر نظر رکھنے سے ہدفی متن کا مفہوم اصل متن سے دور جا پڑے گا۔

ترجمے اور تہذیب وثقافت کے درمیان ایک واضح اور مضبوط تعلق موجود ہے۔بلکہ یہ کہنا بھی غلط نہ ہوگا کہ تہذیب و ثقافت کے ساتھ تعلق میں ایک حوالے سے مترجم ہمیں تخلیق کار سے ایک قدم آگے نظر آتا ہے۔تخلیق کار یا مصنف کو صرف اپنی ثقافت سے سروکار رہتا ہے،جس سے عموماً وہ بخوبی آگاہ ہوتا۔اسی تہذیب میں اس کے خیالات کی پرورش ہوتی ہے۔یعنی وہ اپنی ذات میں رچی بسی تہذیب سے متعلقہ متن کو جنم دیتا جس کے رسم ورواج اور اخلاق واقدار سے وہ بخوبی آگاہ ہوتا ہے۔ایسا ہی شناسائی کا تعلق عموماً مترجم کا دو میں سے کسی ایک متن کی تہذیب کے ساتھ ہوتا ہے مگر دوسری تہذیب مترجم کے لیے بدیسی ہے۔مترجم کو اس فرق سے بھی نبٹنا ہے۔بعض دفعہ دونوں تہذیبوں میں متضاد نوعیت کا فرق ہوتا ہے۔مترجم کو ہدفی متن کی عبارت میں اس تضاد سے نبٹنا ہوتا ہے۔اسے اجنبی تہذیب سے رشتہ استوار کرنا ہوتا ہے،اور پھر اجنبی تہذیب کا ہدفی متن کی تہذیب سے تعلق جوڑنا ہوتا ہے۔اس کے لیے صرف اجنبی تہذیب کو جان لینا کافی نہیں ہے بلکہ مصنف کو تضادات کے باوجود اپنے دل میں اس غیر تہذیب کے لیے قبولیت کا جذبہ پیدا کرنا ہوتا ہے،مرزا حامد بیگ نے بھی مترجم کے لیے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ مصنف یا غیر تہذیب کا باغی نہ ہو۔[۷] دونوں تہذیبوں کے اشتراکات مترجم کے لیے معاون ثابت ہوتے ہیں،اور تضادات مترجم کے کام کو مزید مشکل بنا دیتے ہیں۔مترجمین کے لیے ہدفی متن میں دونوں ثقافتوں کے مابین پل بنانے کا کام اس لیے بھی دشوار ہو جاتا ہے کہ اسے ہدفی متن کے قارئین پر نظر رکھنی ہوتی ہے۔اجنبی خیال کا ترجمہ کرتے ہوئے ہدفی متن کا قارئین کی اقدار کو پیش نظر رکھنا بھی ضروری ہے۔کیونکہ ہدفی متن کے قارئین مترجم کے ترجمہ شدہ متن کے صارف بھی ہیں۔

زبان میں موجود ضرب الامثال،محاورے،کہاوتیں بھی ثقافت کے اظہار کے وسیلے ہیں۔جن کو ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرنا ایک کٹھن اور دشوار مرحلہ ہے۔کیونکہ یہ مخصوص معنی کے حامل ہوتے ہیں۔صدیوں سے چلے آرہے ان محاوروں اور ضرب الامثال کے معنی قوم کی تہذیب وثقافت اور تاریخ سے منسلک ہوتے ہیں۔ایسے میں مترجم کو

روزمرہ اور محاورے میں فرق کرنا آنا چاہیے۔ کیونکہ ایسے متن کے ترجمے کے لیے مترجم کو الفاظ کے لغوی معنی کی بجائے مجازی معنی پر نظر رکھنا ہوگی۔ محاورے کی پہچان کے لیے مترجم کے پاس ماخذ زبان کا علم ہونا بہت ضروری ہے۔ متن میں محاوراتی بیان کی شناخت اور ان کا درست ترجمہ خاص توجہ کا متقاضی ہوتا ہے۔ محاوروں اور استعاروں کے لغوی معنی کا ترجمہ کرنے سے ترجمہ شدہ متن اصل متن سے دور ہو جاتا ہے۔ ہوبسن جوبسن علم الاشتقاق کی حامل ایک انگریزی فرہنگ جس میں الفاظ کے ماخذات پر طویل بحث ملتی ہے۔ فرہنگ کے اندراجات اسے ایک علمی کتاب کی حیثیت دے دیتے ہیں۔ اس فرہنگ کے متن میں ایسے بہت سے محاورات اور ضرب الامثال شامل ہیں جن کے معنی کو اصل متن کے مطابق سمجھنا، اور ہدفی متن میں اسی صورت میں منتقل کرنا بہت دشوار ہے۔ فرہنگ میں متعدد مقامات پر محاورے استعمال کیے گئے مثلاً ''مشک رت'' ایک جانور ہے جس کی تفصیل میں متعلق لکھا گیا ہے کہ:

> When the female is in heat she is often seen to be followed by a string of males giving out the odour strongly.[۸]

یہاں "In heat" محاورہ ہے جس کے معنی شدید ہیجان کی کیفیت میں مبتلا ہونے کے ہیں۔ محاورے کے اصل مفہوم کو جاننے کے بعد باخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ اگر لغوی معنی یعنی گرمی یا دھوپ میں موجود ہونا پر نظر رکھی جاتی تو پورے متن کا معنی تبدیل ہو جاتا ہے۔ مترجم کو کوشش کرنا ہوتی ہے کہ محاوروں اور استعاروں کے معانی سمجھنے کے بعد مفہوم کو ہدفی زبان میں ترجمہ کیا جائے۔

ثقافتی حوالوں کے ترجمے میں ایک حائل مشکل ہدفی متن سے سلاست و روانی کا تقاضا بھی ہے۔ ترجمہ شدہ متن سے یہ تقاضا کرنا کہ اس پر تصنیف شدہ کا گمان ہو اس کی دشواری میں اضافے کا باعث بنتا ہے۔ غرابت اور اجنبیت کے تاثر کو ہدفی متن کی کمزوری تصور کیا جاتا ہے۔ حالانکہ ایک بدیسی زبان و تہذیب سے اجنبیت کا احساس پیدا ہونا فطری ہے۔ مترجم اپنی صلاحیت کو بروئے کار لاتے ہوئے ترجمہ شدہ متن کو قابل فہم بنا سکتا ہے۔ ابلاغ کو اولیت دیتے ہوئے مفہوم کو منتقل کرنے کی سعی کر سکتا ہے۔ مگر یہ شرط کہ ترجمہ شدہ پر طبع زاد کا گمان ہو پوری کرنے میں بعض اوقات اصل متن کی روح کو قربان کرنا پڑتا ہے۔ افکار، خیالات، معاملات، واقعات اور معلومات اپنی تہذیبی بو باس کے ساتھ منتقل ہو تو حقیقی معلوم ہوتی ہے۔

ثقافتی حوالوں کے ترجمے سے نبٹنے کے لیے کوئی واضح یا قطعی حکمت عملی موجود نہیں ہے۔ ماہرین ترجمہ نے مجموعی طور پر ترجمے کے مختلف طریقے اور مسائل سے نبٹنے کے لیے مختلف تجاویز پیش کی ہے۔ یوجین نیڈا، پیٹر نیومارک اور دیگر ماہرین نے اپنے تجربات اور دائرہ کار کے مطابق سفارشات پیش کیں ہیں۔ مختلف نوعیت کی متون میں موجود متنوع ثقافتی حوالے کے ترجمے میں کسی ایک حل کو قطعی تصور کر کے ہر مقام پر اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ مترجم کو ایک بنیادی نقطہ سمجھنا چاہیے کہ ہدفی متن سے پہلی توقع ابلاغ کی رکھی جاتی ہے۔ مترجم کو ابلاغ پر سمجھوتا نہیں کرنا چاہیے۔ مکمل ابلاغ کی ایک صورت تو یوں بھی ہو سکتی ہے کہ جو شے یا اس کا متبادل مفہوم کا حامل لفظ ہدفی متن میں موجود نہیں ہے۔ ماخذ متن سے لفظ لے لیا جائے اور

حاشیہ میں اس شے یا لفظ کی ضروری وضاحت کر دی جائے۔ اگر وضاحت بہت مختصر ہے تو اسے ترجمہ شدہ متن میں قوسین میں بھی درج کیا جا سکتا ہے۔ مگر یہ فیصلہ مترجم کو کرنا ہوگا کہ وہ طریقہ وضاحت کے لیے اختیار کرے جو متن کی روانی کو بھی متاثر نہ کرے اور ابلاغی نقطہ نظر سے بھی موثر ہو۔ ماخذ زبان کا لفظ اپنانے کی رائے سے دیگر ماہرین بھی اتفاق کرتے ہیں۔ ڈاکٹر فاخرہ نورین بھی انتونی برمن کی مجوزہ حکمت عملیوں کی تفصیل میں لکھتی ہیں:

> کسی لفظ کا ترجمہ ہدفی زبان کے کسی مناسب اور معقول لفظ سے نہیں ہو رہا تو ماخذ زبان کا وہی لفظ بعینہ قبول کیا جا سکتا ہے جو نہ صرف اس زبان کی لغت میں اضافے کا سبب بنے گا بلکہ ایک نئی صورت اظہار کی فراہم بھی ہو جائے گی۔ لیکن اگر ماخذ زبان کا مذکورہ لفظ یا صورت اظہار اردو کے مزاج کے مطابق نہیں ہے اور زبان میں کھردرے پن یا غرابت کا تاثر پیدا ہوتا ہے۔ تو اردو اپنے اردگرد موجود مقامی رنگ و بو کی مالک علاقائی زبانوں جیسے بلوچی، سندھی، پنجابی براہوی، شینا اور ہندکو جیسی تمام زبانوں کی مدد لے سکتی ہے۔ اس عمل سے ترجمے میں مقامی رنگ ابھارا جا سکتا ہے۔[۹]

ماخذ متن میں استعمال کیے گئے محاورے کا متبادل اگر ہدفی زبان میں مل جائے تو یہ مترجم کی ایک بڑی کامیابی ہو گی۔ مگر ایسا ہمیشہ ممکن نہیں ہوتا۔ ن۔م۔ راشد نے ڈاکٹر سعادت سعید کو ترجمہ کرنے کے حوالے سے دیے جانے والے انٹرویو میں ایک سوال کے جواب میں کہا تھا کہ ترجمہ کرنے میں سب سے بڑی دقت یہ ہے کہ اب تک شاید کسی زبان میں ایسی ڈکشنری مرتب نہیں کی گئی جو الفاظ کے مترادفات کے علاوہ ان کے معانی کے تمام سایوں، یعنی نہایت جزوی اختلافات پر بھی حاوی ہو۔[۱۰] ن۔م۔ راشد نے یہ بات کسی بھی زبان میں مستعمل عمومی الفاظ کے لیے کہی تھی اگر ان کے ہم پلہ لفظ کی تلاش اس قدر مشکل ہے تو محاورے اور ثقافت کے نمائندہ الفاظ کا ہم معنی ہدفی زبان میں تلاش کر لینا تو کجا، ایسے میں مترجم کو محاورے کا مفہوم ہدفی متن میں منتقل کر دینا چاہیے۔ نصیر احمد خاں نے بھی محاوروں کے ترجمے کے لیے یہی تجویز پیش کی ہے کیونکہ اکثر محاوروں کے ترجمے کے لیے دوسری زبان میں متبادل محاورہ دستیاب نہیں ہوتا ایسے میں اعتدال سے کام لیتے ہوئے محاورے کی جگہ محاورے کی جستجو کی بجائے اپنی ضرورت کے محاورے کے مفہوم کو الفاظ میں تحریر کر دینا چاہیے۔[۱۱] بلاشبہ کچھ ناقدین یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ جو اثر محاورے سے پیدا ہوتا ہے وہ مفہوم سے ممکن نہیں۔ یوجین نیڈا نے بھی ترجمے کے حوالے سے مساوی اثر پزیری کا نظریہ پیش کیا اور مساوی اثر کے حامل لفظ کی تلاش پر زور دیا ہے۔[۱۲] نیڈا کی مساوی اثر پزیری کا خیال بظاہر خوش کن محسوس ہوتا ہے مگر عملی طور پر ایسا ممکن دکھائی نہیں دیتا۔ ایک ہی خیال اگر دو مختلف مصنف ایک ہی زبان میں پیش کریں، دونوں کا تعلق ایک ہی ثقافت سے ہو، یہاں تک ایک ہی مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے ہوں، تب بھی ایسا ممکن نہیں کہ دونوں کی لکھی ہوئی تحریر قاری پر ایک سا تاثر قائم کرے۔ اس لیے مترجم کو خود کو اس قید سے آزاد کرنا ہوگا۔ دراصل نیڈا کے پیش نظر مذہبی تراجم رہے۔ مذہبی تراجم میں ترسیل معنی سے زیادہ بڑا مقصد مذہب کی ترویج و اشاعت ہوتا ہے۔ بلاشبہ الہامی کتب کے متون دلوں کو مسخر کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ نیڈا نے بائبل کے تراجم میں اثر پزیری کا نظریہ اشاعت و ترویج کے مقصد ہی سے پیش کیا ہوگا۔ ترجمے کے ماہرین نے بعد میں مساوی اثر

پزیدی کے نظریے کا انکار کیا۔ راقمہ کا بھی یہی خیال ہے کہ ترجمہ شدہ متن سے مساوی اثر کا حصول ممکن نہیں ہے۔ البتہ مساوی اثر کے دعوے سے نظر ہٹا بھی لی جائے تو مترجم کو اصل متن کا تاثر برقرار رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

ثقافتی حوالوں کے ترجمے میں پیٹر نیومارک کا ابلاغی طریق ترجمہ معاون و موثر ثابت ہوسکتا ہے۔ پیٹر نیومارک (۱۹۱۶ء۔۲۰۱۱ء) نے ترجمے کے موضوع پر کئی کتب لکھی۔ پیٹر نیومارک نے نیڈا کے مساوی اثر کے نظریے کا انکار کیا ہے اور ترجمے کے لیے دو طریقے تجویز کیے ہیں:

ا۔ معنوی ترجمہ ب۔ اور ابلاغی ترجمہ

معنوی ترجمے کو لفظی ترجمہ تو نہیں کہا جاسکتا مگر اس قسم کے ترجمے میں اصل متن اور مصنف کو بنیادی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ جب کہ ابلاغی ترجمے میں ہدفی متن کو اولیت دی جاتی ہے۔ اس میں ہدفی متن کے قارئین کو پیش نظر رکھتے ہوئے متن کو اولیت دی جاتی ہے۔ اس میں ہدفی متن کے قارئین کو پیش نظر رکھتے ہوئے متن کو قابل فہم اور کسی حد تک فطری بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ابلاغی ترجمے میں مترجم اصل متن کو پڑھ کر اس کے مفہوم کو جذب کرتا ہے اور پھر قارئین کی صلاحیتوں کے پیش نظر اس مفہوم کو ہدفی زبان میں منتقل کر دیتا ہے۔ اس مفہوم کے ترجمے میں تاثر کے ترجمے کی کوشش کی جاتی ہے۔

مجموعی طور پر ترجمے میں معتدل طریق ترجمہ اختیار کیا جانا چاہیے۔ مترجم کی کوشش الفاظ اور خیال میں توازن قائم رکھنے کی ہونی چاہیے۔ اس کے لیے لغوی معنی کے ساتھ ساتھ مجازی معنی پر بھی نظر رکھ کر مفہوم کو اصل متن سے ہدفی متن میں منتقل کیا جائے۔ مصنف کے اسلوب اور انداز تحریر پر نظر رکھتے ہوئے اردو زبان کے مزاج اور جملے کی ساخت کو برقرار رکھے۔ ہدفی زبان کے ذخیرہ الفاظ کو کھنگالتے ہوئے اصل متن کے الفاظ کے لیے اپنی دانست کے مطابق موزوں الفاظ کا انتخاب مترجم کی ذمہ داری ہے۔ موزوں الفاظ کی تلاش کے لیے لغات اور اصطلاحات کی فرہنگوں سے مدد حاصل کرنا اور ترجمے کے جدید نظریات کے مطالعے سے اصول وضع کر کے دوران ترجمہ انھیں برتنا ہوگا۔ کسی بھی ترجمے میں شاید کوئی ایک طریق ترجمہ استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ ایک کتاب میں مختلف موضوعات ہوتے ہیں۔ ترجمے میں صرف لفظی اور معنوی ترکیب کو ہی مدنظر رکھنا کافی نہیں ترجمے کے سیاقی نظریات سے بھی مدد لینا مترجم کا وظیفہ ہے۔ اصل متن کی ثقافت اور زبان کے محاوروں کو خاص اہمیت دے کر ہی ترجمہ نگاری کا حق ادا کیا جاسکتا ہے۔ مصنف مختلف انداز سے ان پر اظہار خیال کرتا ہے نیز اسلوب بھی بدلتا رہتا ہے۔ ان مختلف اسلوب کے رنگوں سے نپٹنے کے لیے مترجم کی تخلیقی صلاحیت ہی کام آتی ہے۔ اور وہ ہی یہ طے کرتی ہے کہ ترجمہ لفظی یا محاورہ یا آزاد ہوگا۔ سیاسی نظریات کے حامی یوجین نیڈا (۱۹۱۴ء۔۲۰۱۱ء) کی مساوی اثر پزیری کا نظریہ کام آئے گا یا پیٹر نیومارک (۱۹۱۶ء۔۲۰۱۶ء) کا طریق ترجمہ راستہ دکھائے گا۔ ترجمے کے حوالے سے یہ بات سمجھ لینا لازم ہے کہ علم و ادب، جذبہ و احساس، تہذیب و تمدن کو ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرنے کا یہ عمل محض لسانی عمل نہیں ہے۔ خیالات، احساسات، جذبات، معلومات کسی ایک لسانی پیکر کو ترک کر کے دوسرے لسانی پیکر میں سماتے ہیں تو ایسا تخلیقی عمل ہی کے ذریعے ہو پاتا ہے۔ یہ محض لفظوں کی دوسری زبان کے لفظوں میں

منتقلی نہیں ہے۔ ہر لفظ روح رکھتا ہے۔ مترجم کو یہ روح بھی ساتھ منتقل کرنی ہوتی ہے۔ اگر ترجمہ محض لفظوں کی تبدیلی سے عبارت ہوتا تو بجا طور پر لسانی تبدیلی کہہ دینا کافی ہوتا۔ نیز مشینی ترجمہ بھی بہت پہلے مترجم کی جگہ لے چکا ہوتا مگر ترجمہ بے روح عمل نہیں ہے۔ یہ مترجم سے زبانوں پر عبور کے ساتھ ساتھ تخلیقی صلاحیت کا بھی متقاضی ہوتا ہے۔

☆_____☆_____☆

## حوالہ جات


۱۔ وارث سرہندی، علمی اردو لغت، لاہور، علمی کتاب خانہ، ۱۹۹۰ء، ص ۴۴۴۔

۲۔ فاخرہ نورین، ترجمہ کاری، اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اردو، ۲۰۱۴ء، ص ۲۲۔

۳۔ https//:ur.wikipedia.org/wiki/

۴۔ ایضاً۔

۵۔ https//:www.merriam-webster.com/dictionary/culture

۶۔ گوپی چند نارنگ، ساختیات، پس ساختیات اور مشرقی شعریات، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء، ۱۹۷۔

۷۔ مرزا حامد بیگ ''ترجمے کی ضرورت''، مشمولہ فن ترجمہ نگاری مرتبہ: خلیق انجم، نئی دلی، انجمن ترقی اردو، ۱۹۹۶ء، ص ۳۵۔

۸۔ ہنری یول (Henry Yule)، اے۔سی۔برنل (A.C.Burnell)، *Hobson Jobson: A Glossary of Colloquial Anglo -Indian words and phrases and the kindred terms, Etymological, Historical, Geographical and Discursive,*
لندن/ نیویارک، رتلیج، ۱۸۸۶ء، ص ۵۹۹۔

۹۔ فاخرہ نورین، ترجمہ کاری، اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اردو، ۲۰۱۴ء، ص ۶۹۔

۱۰۔ سعادت سعید، "ترجمہ، مترجم اور ثقافتی متن کی آمریت" مشمولہ مترجم، گجرات، یونیورسٹی آف گجرات، مرکز برائے السنہ وعلوم ترجمہ، ۲۰۱۴ء، ص ۲۳۔

۱۱۔ نصیر احمد خاں، "ترجمہ اور لسانیات" مشمولہ فن ترجمہ کاری (مباحث) مرتبہ: صوبیہ سلیم، صفدر رشید، اسلام آباد، ادارۂ فروغ قومی زبان، ۲۰۱۲ء، ص ۱۷۶۔

۱۲۔ جیریمی منڈے (Jermey Munday)، Introducing *Translation Studies: Theories and Application*، لندن اور نیویارک، رتلیج، ۲۰۰۱ء، ص ۴۲۔